علامہ شمس الحق افغانیؒ

ایک جامع کمالات شخصیت

مولانا لطافت الرحمان سواتی
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ۔ یعنی تمام اولادِ آدم کو موت سے دوچار ہونا ہے ۔ اس حقیقت کبریٰ کو حضرت کعب نے یوں بیان کیا ہے ؎

کل ابن حوا و ان طالت سلامتہٗ
یوماً علی آلۃ حدباء محمول

یعنی حضرت حوّا کی تمام اولاد کو (اگرچہ ان میں سے کوئی شخص دیر تک زندہ رہے) لیکن ایک دن مرنا ہے ۔ چنانچہ بالآخر حضرۃ الاستاذ المعظم الشیخ المغفور لہٗ العلامہ شمس الحق افغانیؒ بھی وفات پاگئے ۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون ۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً وآواہ فی مآوی منہ وکرمہ وادر علی قبرہ شابیب فضلہ و رضوانہ ؎

آمین آمین لا ارضی بواحدۃ
حتی ضم الیہا الف آمینا

میں تعطیلاتِ گرما کے دوران اپنے گھر واقع رونیال سوات میں تھا کہ ۱۴ اگست مغرب کے وقت کسی نے ریڈیو کے ذریعہ حضرت افغانیؒ کی وفات کی خبر دی اور میرے لئے یہ خبر جس قدر صدمہ و رنج کا ذریعہ بنی اس کے بارہ میں میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو حضرت مدنیؒ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پہ فرمایا تھا کہ ؎

حالِ ما در سوزِ حسرت کم تر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و ما پدر گم کردہ

بہرحال ۱۷ کی صبح میرا چھوٹا بیٹا برخوردار کفایت اللہ مجھے کار میں لے گیا و بس جسے ہم ترنگزئی پہنچ گئے ۔ وہاں تعزیت کو آنے والوں کے ہجوم در ہجوم آرہے تھے ۔ استاد مرحوم کے تینوں سوگوار اور غمزدہ بیٹے حافظ نور الحق صاحب ، مطیع الحق صاحب ، داؤد صاحب ملے ۔ ان سے تعزیت کے بعد ہم حضرت کی مرقد کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ، وہاں ایک عظیم شخصیت محوِ خواب تھی ۔ اس وقت تو خیر اس ناکارہ کا جو حال تھا وہ تو

تھا ہی مگر اب بھی یہ حال ہے کہ جہاں کسی قبر پر نظر پڑتی ہے تو حضرت الاستاذ المرحوم کی قبر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور اس طرح عرب شاعر متمم بن نویرہ کی وہ کہانی یاد آتی ہے۔ جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرنے اور ہر قبر پہ رونے کے سلسلہ میں ذیل کے تین شعروں میں بیان کیا ہے ۔

لقد لامنی عند القبور علی البکا

رفیقی لتذراف الدموع السوافک

فقال اتبکی کل قبر رأیتہ

لقبر ثوی بین اللوی فالدکادک

فقلت لہ ان الشجی یبعث الشجی

فدعنی فھذا کلہ قبر مالک

مرحوم کی وفات پر مقالہ لکھ کر وابستہ تاثرات کی یادوں کو مقدور بھر قلمبند کرنا تو میرا فریضہ تھا ہی مگر اسکی فرمائش بھی جن احباب کیطرف سے ہوئی ان میں خاص طور پہ برادرم مولانا سمیع الحق صاحب کی فرمائش کی تعمیل تو میرے لئے بہت ہی مشکل ہے جو فرماتے ہیں کہ :

" — بلکہ واقعتہً آپ اس کے اہل ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ، دینی اور سیاسی وملکی اور ملی خدمات پر ایک اہم جاندار مقالہ الحق کے لئے لکھیں ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت افغانیؒ کا آپ پہ یہ حق ہے کہ آپ ، ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو واضح کریں ۔ "

جب کہ ظاہر ہے کہ حضرۃ المرحوم کی زندگی کے وسیع تر گوشوں اور ہر طرح کے بلند و عظیم کارناموں کو مجھ جیسے بے علم کم مایہ اور غافل وجاہل آدمی کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔ بھلا کہاں لطافت الرحمن اور کہاں حضرت افغانیؒ کی حیات مقدسہ کے بحر ذخار میں غوطہ زنی ؟

تاہم " مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ " کے تحت ، ذیل میں چند ٹوٹے پھوٹے کلمات قلمبند کر رہا ہوں اور ہر چند کہ میرے دل ودماغ میں کچھ آب وتاب تو نہیں ہے ۔ لیکن مرحوم کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کے ناطے ذیل کا جہد المقل پیش کرتا ہوں ؎

آوارہ گشتہ ام نگر امشب نظارہ را　　پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

ولادت ووفات | مرحوم کی ولادت ترنگزئی میں ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ہوئی ہے ۔ اور وفات ۱۶ اگست ۱۹۸۳ء کو واقع ہوتی ہے ۔ اس سے آگے آپکی زندگی پہ جو مختصر اور بھر پور تبصرہ برادرم مولانا سمیع الحق صاحب نے الحق شمارہ ماہ اگست ۱۹۸۳ء کے نقش آغاز میں کیا ہے اس پر مزید لکھنا یا اس کو دوسرے الفاظ

اور عبارات میں پیش کرنا نامناسب سا لگتا ہے۔ اور یہاں اس نقش آغاز کو بلفظہ اس مقالے کا حصہ بنانا بھی لاحاصل تطویل ہے۔ اندریں حالات گویا حضرت افغانیؒ کی زندگی کا خلاصہ حال تو اس نقش آغاز میں پڑھا جائے اور باقی جو کچھ اس ناکارہ کے قلم سے ہو سکا ہے وہ پیش خدمت ہے۔ اور حضرتؒ کی زندگی کے متعلق یہ پیش شدہ چند امور بھی کوئی خاص چیز نہیں۔ بلکہ ؎

میں نے اپنے آشیانہ کے لئے جو چبھے دل میں وہ تنکے چن لئے

کے مصداق ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃٍ
لساناً لما استوفیت حق ثناۂٖ

بہرحال اکابر علماء حق میں مرحوم کا جو مقام تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جس علمی تبحر، وسعت اور بے پناہ صلاحیت و قابلیت اور جامعیت سے نوازا تھا اس کا صحیح اندازہ لگانا بھی مجھ جیسے کم علم اور بے بضاعت کا کام نہیں ہے۔ بلکہ بڑے بڑے علماء و فضلاء اس رجل عظیم، علامہ دہر، نابغۂ عصر کے فضل و کمال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے سانحہ وفات پر ریڈیو، اخبار، ٹیلیویژن کی سطح پر سرکاری وغیر سرکاری طور سے آپ کی تعزیتوں میں آپکو جن اوصاف والقاب سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ بہت بڑے سکالر تھے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن تھے۔ وغیرہ وغیرہ ـــ میرے خیال میں یہ تمام تر ستائش و توصیف، ثناء و تعریف اگرچہ متعلقہ حضرات کی جانب سے نہایت عقیدت و احترام اور تعظیم و اکرام کا اظہار ہے۔ لیکن درحقیقت ان سب باتوں سے مرحوم کی علمی عظمت کا عشر عشیر بھی ظاہر ہونا نہیں پاتا۔ جس طرح کہ ایک زبردست تلوار کو لاٹھی سے تیز اور زوردار بتانا تلوار کی تعریف نہیں ہے بلکہ اس کی تنقیص ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ ؎

الم تر ان السیف ینقص قدرہٗ
اذا قیل ھذا السیف امضی من العصا

الغرض مرحوم جس قدر صاحب علم و فضل اور جس قدر تمام علوم اسلامیہ اور فنون عربیہ عقلیہ نقلیہ میں نیز جدید عصری علوم و معلومات میں عظیم الشان، محیر العقول دسترس اور حذاقت و مہارت کے حامل تھے اور جس طرح وہ بیک وقت مفسر و محدث، فیلسوف و متکلم، منطقی و مناظر، مبلغ و خطیب، خلاصہ یہ کہ ہر فن کے امام تھے، اسی طرح درس و بیان قلم و زبان کے بارے میں بھی آپ یکتا تھے۔

مرحوم سے میرا تعلق | آپ کی عظمتوں کو جاننے اور جانچنے کے لئے یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ

اس ناکارہ کو خدا نے ان کی صحبت و خدمت کا کافی موقع عطا فرمایا تھا۔ میری طالب علمی کے دوران دار العلوم دیوبند میں جب وہ دورہ حدیث و تفسیر اور درجۂ تکمیل کے اونچے اساتذہ میں سے تھے، اور حمداللہ، قاضی، صدرا، بیضاوی وغیرہ اس درجہ کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ اور میں بھی ان ورد رس کے شرکا میں سے ایک تھا۔ تو اس وقت بھی ان کی خصوصی شفقت و عنایت شامل حال رہی۔ پھر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بھی کم و بیش دس سال تک تو وہ رفاقت و شراکت رہی کہ اگر سعادت و فرصت کے وہ لمحات مرحوم کے کسی دوسرے شاگرد رشید کو حاصل ہوتے تو وہ بہت کچھ فیوض و برکات، علوم و معلومات اور اس رہبر کامل کی خصوصیات و مزایا سے حظ وافر حاصل کر لیتا مگر میں تو اس شعر کا مصداق ہی رہا کہ ؎

تہیدستاں قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بہر حال میں اپنی دانست کی حد تک وثوق سے کہتا ہوں کہ ایسی جامع العلوم والکمالات شخصیّت کا پایا جانا مشکل ہے جن کے علمی کتابی و درس و خطبات، تقاریر و بیانات کے علاوہ عوامی محافل و مجالس، تقاریب و مجامع کا بھی ایک ایک لمحہ پُر لطف و پُر رونق ہو اور ہر طرح کی علمی معلوماتی تاریخی سیاسی جواہر پاروں سے لب ریز رہا ہو۔

بہاولپور میں درس قرآن قیام بہاولپور کے دوران، مرحوم مدرسہ فاروقیہ میں درس قرآن دیتے رہے جس میں بیشمار خواص و عوام علماء و حکام، دانشور و مفکرّ مقامی غیر مقامی ہر طرح کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اور سامعین کو تعجب ہوتا تھا کہ یا اللہ علوم قرآنیہ اور معارف اسلامیہ کا کس قدر بحر ناپیدا کنار ہے جو علامہ شمس الحق افغانیؒ کے سینہ میں موجزن ہے۔ اس درس میں بارہا سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی مرحوم بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ اور کسی سے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تو جدید و قدیم علوم کا ایک سمندر ہے۔ اور قرآن کریم کا ایک مجسمہ اعجاز ہے۔ جو شمس الحق افغانی کی صورت میں موجود ہے۔

بہاول پور میں درس قرآن کریم کا صرف ڈیڑھ پارہ بمشکل زیر درس آیا ہے جس سے عوامی سطح پر بھی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس مرد کامل کو قرآن کریم اور علوم قرآن سے کس قدر شغف تھا اور اس سلسلہ میں وہ کس قدر وسیع علوم و معلومات اور معارف و نکات جانتے تھے۔

اس درس کے بارہ میں ایک بار یہ اتفاق بھی ہوا کہ حضرۃ المرحوم ایک جمعرات کے روز خان پور جا رہے تھے جبکہ جمعہ کے روز وہ درس ہونا تھا تو اس بات کا اعلان بھی کر دیا اور مجھ سے بھی فرمایا کہ تم کو صبح میری جگہ درس دینا ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایک بہت بڑے سپہ سالار کی جگہ میدان جنگ میں ایک کمزور

سپاہی کو کھڑا کرنا ہے۔ تاہم تعمیل ارشاد ہوگئی اور واپسی پر تحسین فرماتے رہے کہ لوگ آپ کے درس سے بھی بہت خوش ہوگئے ہیں۔

شانِ تدریس حضرت الشیخ کی کتابِ زندگی میں آپ کی تدریس کا باب نہایت سنہری اور زرّیں باب ہے۔ اور عام طور پر درس قرآن کے علاوہ مرحوم جو علمی دروس و تقاریر اور عام مجالس میں ہر طرح کے نکات و تشریحات کے دریا بہاتے تھے ان تمام کی یاد تو کسی علم دوست مسلمان کے ذہن و دماغ سے تادم زیست جانیوالی نہیں ہے۔ مگر مرحوم کی علمی اور کتابی تدریس کا تو حال ہی کچھ اور تھا، آپ کی تدریس کے مراکز سرگودہا، لاہور، سجاول، دیوبند اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ڈابھیل اور کوئٹہ تمام رہے ہیں میں ذیل میں صرف دارالعلوم دیوبند اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں مرحوم کے حالات اور خیالات و فرمودات پر اس سبب سے اظہار خیال کر رہا ہوں کہ ان دونوں جگہوں میں مجھے خدمت و ہمراہی کا شرف حاصل رہا ہے اور اس دوران سے متعلق میری تحریر میں ہر لائی ہوئی بات میرے مشاہدات، محفوظات یا مخطوطات میں سے ہے۔

دارالعلوم دیوبند یہاں آپ سجاول سندھ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے خاص طور پر آپ کو بلانے کی فرمائش کی تھی۔ یہاں آکر آپ نے درس شروع کیا تو دارالعلوم دیوبند کے طلبہ پر جیسے جادو ہوگیا ہو، آپ کے درس میں دور دراز کے حوالوں سے تحقیق و تجسس کا وہ مبسوط اور مفصل بیان ہوتا تھا کہ حیرت ہو جاتی تھی۔ آپ کا ہر درس گویا علوم و تحقیقات کا ایک سمندر ہوتا تھا۔ جو سامنے آنیوالے خس و خاشاک کو بہا کرلے جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی درس گاہیں یوں تو ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہیں طلبہ کی عظیم تعداد ہر ایک درسگاہ میں سما سکتی ہے مگر جب آپ کو شرح عقاید نسفی کی دوسری جماعت بناکر حوالہ کی گئی تو شرکاء وسامعین کے لئے متعلقہ درس گاہ کو تو تنگ ہونا ہی تھا لیکن ساتھ ہی طویل برآمدہ اور ملحقہ میدانوں نے بھی اس عظیم جماعت کے سمونے سے انکار کر دیا۔

انہی ایّام میں آپ کے درس کی بے پناہ مقبولیت کے تحت طلبہ نے خلاصۃ الحساب کے لئے درخواست دی جس پر حضرت مدنیؒ نے بحیثیت ناظم تعلیمات حضرت افغانیؒ سے فرمایا کہ یہ کتاب یا تو آپ ہی پڑھا سکتے ہیں یا میں جبکہ میری مصروفیت اور معذوری آپ کے سامنے ہے۔ اور طلبہ آپ کو ہی چاہتے ہیں لہذا آپ ہی اس کتاب کو پڑھائیں گے۔

مولاناؒ کی ایک تقریر اس ابتدائی دور دیوبند کے موقع پر ایک اجلاس میں آپ دارالحدیث کے عظیم ہال میں تقریر فرما رہے تھے۔ سامعین میں اساتذہ طلباء کی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ اختتام اجلاس کے بعد میں نے خود بعض چیدہ اور سنجیدہ حضرات سے سنا کہ "یہ شمس الحق تو بلا ہے۔" بولنے کا انداز کتنا دلکش ہے۔ اور

بیان میں مواد کی کتنی بہتات ہے، مجھے یاد ہے کہ مرحوم نے اس اجلاس میں یہ شعر بھی پڑھا تھا ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جس پہ سامعین حضرت افغانیؒ کو داد تحسین دیتے رہے۔ اس وقت یہ شعر شاید اس قدر مبتذل نہیں ہوا تھا۔ اس سبب سے لوگوں نے اس کا اثر لیا تھا۔

تدریس کے بادشاہ ایک روز سجاول میں مولوی عبداللہ صاحب سجاول والے کے ساتھ کھانے کے دسترخوان پہ مذاق ہو رہا تھا وہ حضرت افغانیؒ کے سجاول کے وقت کے شاگرد تھے۔ جو حضرت کے اوائل تدریس کا دور تھا۔ دسترخوان پہ مذاق کے دوران مولوی صاحب موصوف نے کہا کہ دوستو! مجھے ہر چیز کھانے دو میں دسترخوان کا اس طرح کا بادشاہ ہوں جس طرح کہ علامہ شمس الحق افغانیؒ درس کے بادشاہ ہیں۔

اُسی سجاول مدرسہ ہاشمیہ میں جب آپ مدرس تھے اور ایک دوسرے مدرس صاحب حضرت کے کچھ حریف بننے کی لاحاصل کوشش میں بہت زور سے چلا چلا کر تقریر کرتے تھے۔ تو اس صورت حال پہ حضرۃ مرحوم نے فرمایا تھا کہ ؎

ولو کان رفع الصوت علماً لامرئ
لکان جدیراً بالعلوم حمار

درجہ تکمیل کا درس دارالعلوم دیوبند میں جب بیضاوی شریف سے درجہ تکمیل کا حصہ آپ پڑھاتے تھے اور درس میں قرآن و قرآنیات، قرآن کی بلاغت و فصاحت، اعجاز قرآن کے معارف و نکات بیان فرماتے تھے تو ہم شرکاء درس محو حیرت ہوتے تھے کہ یہ علامہ روزگار جہاں حمداللہ کے وجود رابطی پہ ہفتہ عشرہ تک درس دیکر خبایا فی زوایا الکلام کا کھوج لگا کر منطق و فلسفہ کے میدان میں یکتا ہیں اور ابوداؤد کی حدیث القلتین پر دو ہفتہ تک درس دیتے ہیں۔ وہاں وہ قرآن کے بحر ناپیدا کنار سے بھی انمول موتی نکال لاتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور احیاء العلوم ایک بار دوران درس امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا یہ قصہ بھی سنایا کہ جب انہوں نے یہ کتاب مکمل کر لی اور کتابت و اشاعت کی اجازت کیلئے اسکو قاضی شہر کو پیش کیا اور اس نے اس بنا پر اسکی اشاعت سے انکار کیا کہ یہ تو بہت سخت کتاب ہے۔ علماء ظاہر پہ اس میں بہت سخت نکیر کی گئی ہے۔ اور جب قاضی صاحب کے انکار پہ امام صاحب مایوس ہو کر گھر گئے تو رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہیں قاضی صاحب بھی موجود ہیں۔ حضورؐ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم نے جو کتاب لکھی ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ امام صاحب نے تعمیل ارشاد کی۔ حضورؐ نے خوش ہو کر کتاب کی تحسین فرمائی جس پہ امام

صاحب نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے تو کتاب کو پسند فرمایا لیکن قاضی صاحب اسکی اشاعت کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ لکڑی لے لو اور قاضی صاحب کی پیٹھ پر مارو۔ جب امام صاحب نے تین بار قاضی صاحب کی پیٹھ پر مارا تو حضور علیہ السلام نے خود ہی سفارش فرمادی کہ اب بس کرو یہ زجر کافی ہے۔ اب قاضی صاحب تمہاری کتاب کی اشاعت کو نہیں روکیں گے۔

لطافت وظرافت | مرحوم کے درس میں تحریر و تقریر اور خطاب و بیان، معلومات عبر و بصائر کی بہتات کے علاوہ لطافت وظرافت بھی ہوتی تھی، ایک بار فرمایا کہ کسی مولوی صاحب نے اخبار کے صفحے پر موٹے حروف دیکھ کر پوچھا کہ علماء کا یہ نفرنس کیا ہے جبکہ وہ عبارت "علماء کانفرنس" تھی۔ فرمایا کہ پٹھانوں کی اردو یہی ہے کہ "میں نے رکعت نیچے کرلی اور آنکھیں کالی کیں۔ اور جلاب کھالیا وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا کہ قلات میں ایک مولوی صاحب تھے، پتلون سے بہت چڑتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ بازار سے پتلون کرایہ پر لے کر دفاتر میں انٹرویو دیتے ہیں۔ حالانکہ لعنت کی اس چیز کو تو دور پھینکنا ہی مسلمان کا کام ہے۔ اقول ولنعم ماقالہ اکبر الہ آبادی ؎

واسطہ کم ہوگیا اسلام کے آئین سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

ایک بار ایک طالب علم نے دوران درس سوال کیا اور اپنے استدلال کیلئے کسی آیت حدیث یا عربی شعر کا حوالہ دینا چاہا مگر بھول گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ میں اپنا مستدل بھول گیا ہوں اس پر حضرت المرحوم نے فرمایا کہ: "میاں نسیات پر استدلال نہیں ہوتا ہے۔"

انداز تحریر | مرحوم اگرچہ کثیر التصنیف علماء میں سے نہ تھے۔ تاہم آپ کے جو مقالات و مضامین اور تقاریر و خطبات شائع ہورہے ہیں یا چند تصانیف آپ نے تحریر فرمائی ہیں یا ترمذی کی غیر مطبوعہ شرح جو دارالافتاء محمد صاحب کندیاں کو بغرض طباعت دے دی گئی ہے، ان تمام کا طرز تحریر نہایت جچا تلا، تطویل و حشو سے پاک اور افادیت و معنویت کا ایک شاہکار ہے۔ دراصل حضرۃ المرحوم کا انداز تحریر و تقریر اسطرح تھا کہ اس میں نہ تو ایضاح الواضحات ہوتا تھا اور جس طرح بعض دوسرے علماء واضح اور مشہور امور کو خواہ مخواہ طویل کرکے ان میں دنیا بھر کی باتیں اور کہانیاں بھر دیتے ہیں۔ آپ کو اس طرح کرنا گوارا نہ تھا بلکہ ہر بحث و تحقیق کو ضروری اور مبذل اور دور دراز کے مواد اور حوالوں کی روشنی میں بیان فرماتے تھے۔

علوم القرآن | اس موضوع پر آپ کی کتاب "علوم القرآن" ہمارے سامنے ہے جسکی لکھائی چھپائی بالکل دور از کار ہے، مگر معنویت اور موضوع بحث، پختہ بیانی اور وسیع اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے بے نظیر

ہے۔ کتاب کا تھوڑا سا نمونہ کلام پیش خدمت ہے جو مستشرقین کے بارہ میں صفحہ ۱۲۰ پر درج ہے۔

"اب انہوں (مستشرقین) نے اسی نصب العین کی تکمیل کیلئے حربی اور سیاسی میدانوں کو ناکافی سمجھ کر علمی میدان میں قدم رکھا اور استشراق کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مسلمانوں کے یقین کو کمزور کرنے اور تشکیک کا زہر پھیلانے کیلئے اسلامی تحقیق کے نام سے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے تصانیف لکھنی شروع کیں تاکہ وہ اپنے مقصد میں اس راہ سے کامیاب ہو سکیں جن امور کی وجہ سے انہوں نے اپنی کامیابی کی امید رکھی وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ مغربی قوتوں کا سیاسی عروج اور مسلمانوں کا سیاسی زوال جس سے وہ نفسیاتی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مغلوب قومیں غالب قوموں کی ہر بات چاہے وہ سو فیصد غلط ہو، کمزوری کی وجہ سے یقین کرتے ہیں۔

۲۔ انگریزی دان طبقہ خاصکر مغرب زدہ طبقہ جو احساس کمتری کا شکار ہے یورپ کے مصنف کو محقق سمجھتا ہے اور اپنے دین کے ہر عالم سے متنفر رہتا ہے۔ اور یورپی مصنفین کی ہر بات کا مان لینے کا جذبہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں موجود ہے۔ اور وہ خود علم دین سے بے بہرہ اور علماء دین کیطرف نفرت کی وجہ سے رجوع نہیں کرتا ہے۔ ان کمزوریوں نے مستشرقین کی کامیابی کی راہ کھولی اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔"

ظاہر ہے کہ علوم القرآن کے موضوع پر دوسری کتابیں بھی موجود ہیں مگر ان میں وہ جوہر کہاں پایا جاتا ہے جو حضرت افغانیؒ کی خصوصیت اور امتیازیت ہے۔

عالمانہ ظرافت دارالعلوم دیوبند میں آنے پر علامہ ابراہیم بلیاویؒ نے مرحوم کی دعوت کی تھی جس میں اشیاء خورد و نوش کا عمدہ اہتمام کیا گیا تھا۔ حضرت المرحوم نے اپنے میزبان سے کہا کہ یہ بات تو خیر مشہور بھی ہے۔ اور درست بھی کہ آپ شیخ المعقولات ہیں لیکن آج یہ معلوم ہوا کہ آپ شیخ الماکولات بھی ہیں۔

چند فرمودات فرمایا کہ :- الفاعل الواحد یختلف فعله باختلاف القابل وقال قال الشیخ فی الشفاء. ضوء الشمس یسود بدن القصار و یبیض ثوبه والنثر ما قاله السعدی الشیرازی ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

ایک بار انوری کا یہ شعر بھی سنایا کہ ؎

عیش اندر جہاں خراں کردند
کاش کہ انوری خرے بودے

میں نے حضرت کی طالب علمی کی ایک کاپی سے یہ شعر بھی نوٹ کیا ہے کہ ؎

علاج نفس ظالم زود ہنگام جوانی کن
کہ ایں مار سیہ چوں پیر گردد اژدہا باشد

فرمایا کہ قلات میں ایک شاہراہ پر توت کا ایک بڑا قدیم درخت ہے جس کے سایہ میں احمد شاہ ابدالی نے سفر ہندوستان کے دوران آرام کیا ہے اور اس موقع پر اپنے درباری شاعر سے کہا ہے کہ اس توت کے بارے میں کچھ کہو تو شاعر نے برجستہ کہا تھا کہ ؎

آں قادرے کہ قدرت خود را ثبوت کرد
از چوب خشک میوہ برآورد و توت کرد

فرمایا کہ دہلی کے ایک مسخرے نے وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری سیاہ ڈاڑھی کو چونا لگا کر سفید کر دیا جائے لوگوں نے ملامت کیا تو اس نے کہا کہ یحییٰ بن اکثم نے اسی طرح کر واکر اس حدیث کا حوالہ دیا تھا جس میں ہے سفید داڑھی والے کو خدا مایوس نہیں کرتا ہے ۔

ایک بار خوش آوازی اور خوش الحانی کی بات ہو رہی تھی تو فرمایا کہ مولانا عین القضاۃ محشی میبذی جو مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے اتالیق اور ان کے والد مولانا عبدالحلیم کے شاگرد تھے ۔ وہ جہاں بہت بڑے مالدار، عالم اور بلند آدمی تھے وہاں ان کی طبیعت میں حد درجہ مجذوبیت تھی ۔ خوش آوازی سے مدہوش ہو جاتے تھے چنانچہ ایک محفل میں آپ کی موت ہی یوں واقع ہوئی کہ کسی خوش آواز نے نہایت جذب و استغراق سے ایک مؤثر نعت یا نظم سنائی، مولانا عین القضاۃ سن رہے تھے دوسرے سننے والے بھی جھوم رہے تھے نظم کے اختتام پر پتہ چلا کہ مولانا عین القضاۃ کی جان پرواز کر گئی ہے ۔

ایک بار ہم مولانا نیاز محمد ختنی کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں بہادر لنگہ جا رہے تھے، چشتیاں کے قریب موٹر میں اساتذہ کے ادب و احترام اور کفش برداری کا ذکر ہو رہا تھا جس کے دوران میں نے تھوڑا سا تبسم کیا ۔ تو حضرت نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ پہننے کیلئے مجھے میرا جوتا رکھ رہے ہیں ۔ اس پر برجستہ فرمایا کہ بہت اچھا خواب ہے آپ مخدوم الکل بنیں گے ۔ اس جلسہ کے ختم بخاری کے موقع پر یہ فارسی شعر بھی پڑھا تھا ؎

بہر تاریخ بخاری ضبط کردم در ثقات صدق تاریخ تو لا نور (۲۹۴ / ۲۵۶) تاریخ وفات

فرمایا کہ امام شافعیؒ نائی کی دوکان پر حجامت بنوانے گئے ، لباس بوسیدہ تھا ، نائی نے امام کو مؤخر بھی کیا اور کام بھی بے توجہی سے کیا۔ تاہم فراغت کے بعد امام نے نائی کو بہت سے پیسے دیئے اور فرمایا کہ :-

علیّ ثیابٌ لو یباع جمیعہا ‌ ‌ بفلس لکان الفلس منہن اکثرا

وفیہن نفس لو تباع بمثلہا ‌ ‌ نفوس الوریٰ کانت اجل واخیرا

معلومات جدیدہ | حضرۃ المرحوم کا وسعتِ مطالعہ ، قوتِ استحضار اور عام طور سے علوم اسلامیہ اور فنونِ عقلیہ عربیہ پر حاوی ہونا تو اظہر من الشمس ہے مگر جدید علوم و معلومات سے آپ کا اندازہ کیا تھا ؟ اس بارہ میں اگرچہ ماہنامہ الحق کے صفحات پر کافی ذخیرہ بالخصوص الحق کے ابتدائی رسالوں میں بکھرا ہوا ہے تاہم میں اپنے قلم سے نوٹ کیا ہوا ایک مختصر ارشاد نقل کرتا ہوں جس سے تمام صورت حال کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے ۔ ع ‌ ‌ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

فرمایا کہ تمام روئے عالم کی بجلی کا وزن روشنی کے پیمانہ سے ایک بٹہ چار چھٹانک ہے ۔ یعنی سوا تولہ اور سورج کی صرف وہ روشنی جو زمین تک پہنچتی ہے اور اس سے روشنی کے علاوہ نظام کائنات کے بیشمار کام سرانجام ہوتے ہیں وہ ایک بٹہ دو ارب ہے ۔ یعنی اگر اس کے دو ارب حصے کر دیئے جائیں تو صرف ایک حصہ زمین پر واقع ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس روشنی کا وزن چار ہزار چار سو اسّی من ہے ۔ اور اگر اسکی قیمت لگائی جائے تو کرۂ ارض کے دس ہزار سال کی کل آمدنی سورج کے ایک بٹہ دو ارب کی قیمت پوری نہیں کر سکتی ہے ۔

پھر قدرت کی اس مادی کائناتی عظمت کے بالمقابل روحانی لذت و نعمت کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ اگر دنیا کی تمام متعلقہ لذتوں سے بھرپور ایک گلاس شربت تیار ہو ۔ اور جنت کے ایک گھونٹ سادہ پانی کے اوپر کسی جنت والے کو پلایا جائے تو وہ اس تمام مواد کو قے کر یگا ۔

ایمان کی سادہ تعریف | فرمایا کہ مقدمہ بہاولپور میں انگریز جج نے حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ سے ایمان کی تعریف پوچھی تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ اردو محاورہ کے لحاظ سے ایمان کی سادہ تعریف ۔ " اللہ اور رسول کے باور پر بات ماننا " ہے ۔ انگریز جج نے اس سادہ تعریف کو بہت پسند کیا اور حضرت شاہ صاحب کی عزت افزائی کی ۔

فرمایا جو جان بدن میں ڈالی گئی ہے وہ دنیا کی سڑک سے گزر کر عالم آخرت کو جاتی ہے ۔ اس وجہ سے وہ مرتی نہیں ہے ۔ فرمایا جنت میں روشنی نہیں عرش کی تجلی روشنی کا کام دیتی ہے ۔

ایک بار میرے اس سوال پر کہ صاحب مثنوی نے مولانا جلال الدین رومیؒ کے بارہ میں کہا ہے : دکان

یقول بالتناسخ ووحدۃ الوجود ۔ فرمایا کہ غلط ہے ۔ اور صاحب منجد کی اس غلطی کا منشاء مولانا روم کا یہ شعر ہے جو فرماتے ہیں کہ ؎

ہفت وصد ہفتاد قالب دیدہ ام ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

ایک بار مادہ اور ایٹم پر فرمایا کہ : ؎

زندگی وہ دے جو خود زندہ نہیں
ایٹمی ذرّات پائندہ نہیں
سوشلزم کا خدا برق پارہ ہو
لوگ اس کہنے پر شرمندہ نہیں

فرمایا کہ لوگ حضرت تھانویؒ کی طرف تشدّد منسوب کرتے تھے تو حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجھ میں تشدّد نہیں ہے ۔ تسدّد ہے ۔

ایک بار بعد العصر کی ایک مجلس میں جریر و فرزدق کی باہمی مخاصمت و مہاجاۃ کا ذکر ہو رہا تھا ۔ میں نے عرض کیا کہ کمال الدین دمیری نے جریر کے اس شعر کو غایت درجہ ہجو قرار دیا ہے جو اس نے قوم فرزدق کے بارہ میں کہا ہے کہ ؎

قوم اذا استنبح الاضیاف کلبہم قالوا لامہم بولی علی النار

اس پر فرمایا کہ ہاں فرزدق پر جریر کا یہ طنز بھی نہایت وزنی ہے جو کہتا ہے کہ ؎

زعم الفرزدق ان یقتل مُعمراً البشر بطول سلامۃ یا معمر

پھر کچھ عرصہ بعد اس شعر کو میں نے لایتہ العجم صفدی میں خود بھی دیکھا ۔

ایک بار میں نے حضرت المرحوم سے آپ کے خاندان کے کچھ علمی حریفوں کے بارہ میں پوچھا تو حضرت نے میرے سوال کے جواب میں یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

نزلوا بمکۃ فی قبائل ہاشم ونزلت بالبیداء ابعد منزل

جو نہایت برموقع اور حقیقتِ حال کا عکاس ہے جس کا پس منظر بطور تمثیل عرب جاہلیّت کے وسطانی دور سے جڑتا ہے ۔

ایک بار امام شافعیؒ کے یہ دو شعر پڑھے ؎

اری طالب الدنیا وان طال عمرہ ونال من الدنیا سروراً والعما
کبانٍ بنی بنیانہ فاتمہ فلما استوی ماقد بناہ تہدما

اسی طرح امام شافعیؒ کا یہ شعر بھی سنایا ؎

اذا ھبت ریاح فاغتنمھا
فان لکل خافقۃ سکوط

فرمایا کہ ایک شخص نے امام شافعیؒ کے سامنے ایک شخص کی بہت تعریف کی تو امامؒ نے فرمایا: ھل عاملت معہ۔ قال لا۔ ثم قال الامام ھلا ساخرت معہ۔ قال لا۔ قال فلا تثق۔

حاجی صاحب ترنگزائی | فرمایا کہ حاجی صاحب ترنگزائی کو کسی نے انگریزوں سے لڑنے اور جہاد کرنے پر ملامت کرکے کہا کہ آپ کو تو جنّت چاہئیے جو خدا کی یاد اور عبادت سے ملتی ہے۔ اور وہ آپ کا عمر بھر کا مشغلہ ہے۔ تو حاجی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میاں جنّت پانے کا راستہ بیشک یہ بھی ہے جو آپ نے کہا مگر یہ لمبا راستہ ہے اور جہاد جنّت میں پہنچنے کا نہایت مختصر راستہ ہے۔ گویا گولی لگی اور جنّت میں جانے کا پروانہ ہاتھ میں تھمایا گیا۔

اب میں اپنے اس اعتراف کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے اس مقالے سے حضرت الاستاذ المغفور لہٗ علامہ شمس الحق افغانیؒ کے مقام عالی کا ادنیٰ سا گوشہ بھی واضح نہیں ہوا ہے۔ جبکہ میرا ذہن و قلم محدود اور مرحوم کی عظمتیں لامحدود ہیں۔ اور مقالہ اس سلام پر ختم کرتا ہوں ؎

من السلام علی من لست انساہ
ولا یمل لسانی قط ذکراہ
ان غاب عنی فان القلب مسکنہٗ
ومن یکون بقلبی کیف انساہ

■■

اکوڑہ خٹک میں دینی و علمی کتب کا مرکز

اہل علم دینی حلقوں کے طلبہ علوم دینیہ کے مرکز اکوڑہ خٹک میں ایک مرکزی کتب خانہ کی ضرورت تھی۔ جو شائقین کو ہر قسم کی علمی، دینی کتابیں مناسب نرخ پر مہیا کر سکے۔ دارالکتب العلمیہ کا قیام اس مقصد کیلئے ایک اہم قدم ہے۔ مناسب رعایتی نرخوں پر ہر قسم کی درسی وغیر درسی علمی و دینی کتب مہیا کرنے والا یہ واحد ادارہ آپ کا منتظر ہے۔

دارالکتب العلمیہ ــــ نزد چونگی نمبر ۲ ــــ اکوڑہ خٹک